# جہاد کے لئے تنظیم وامارت اور والدین کی اجازت!!

مورخہ ۱۱ / ستمبر ۱۹۹۴ء کے لئے حافظ عبد الرحمٰن مدنی کو "مرکز الدعوۃ والارشاد" نے جہاد کے پس منظر میں فرقہ وارانہ تشدد پر غور و خوض کے مقصد سے ایک اجلاس میں شرکت کی دعوت دی تھی، جو عملاً مشاورت کے بجائے جلسۂ عام کی صورت اختیار کیے ہوئے تھا۔ تاہم موصوف نے جذباتی فضا میں جذبۂ جہاد کو فرقہ وارانہ منافرت سے بچانے کے لئے جہاد کی تنظیم اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت متحد کرنے پر زور دیا۔ اگرچہ مدنی صاحب کے زیر اہتمام متعلقہ تمام ادارے نہ صرف جہادی فکر کی تخم ریزی اور سیرابی کے لئے کوشاں ہیں بلکہ غزوِ فکری کے ساتھ ساتھ جہاں جانی اور مالی طور پر عملاً جہادِ افغانستان، بوسنیا اور کشمیر میں شریک رہے ہیں، وہاں موصوف اس تجویز کے شدت سے مؤید ہیں کہ جہاد کا نعرہ لگانے والی ٹولیاں متحد ہو کر کام کریں، نیز نوجوانوں کو بزرگوں کی سرپرستی میں کام کرنا چاہیے تاکہ جوش' ہوش پر غالب نہ آنے پائے۔ بعض جوشیلے لوگوں کو دینی قوتوں کی شیرازہ بندی یا اعتدال کے ایسے مشورے بھلے معلوم نہیں ہوتے۔ وہ وضاحت کا موقع دیے بغیر تردیدی خطابات کا "جہاد" شروع کر دیتے ہیں، بلکہ زبان بندی سے بھی نہیں چوکتے۔ سطورِ ذیل میں ہم مذکورہ خطاب کا ایک خلاصہ اور سوال و جواب کی شکل میں مخالفانہ تقاریر پر وضاحتیں شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں افراط و تفریط سے بچائے اور شریعت کے میزانِ عدل پر عمل کی توفیق

دے۔ آمین!... (رُشد)

جہاد کی اہمیت، فضیلت اور فوائد پر کتاب و سنت کی تعلیمات اس قدر واضح ہیں کہ اس پر قرآن و حدیث پر نظر رکھنے والا کوئی شخص شک و شبہ کا شکار نہیں ہو سکتا تاہم جہاد کی وسعتوں اور آداب و ضوابط سے آگاہی بڑی ضروری ہے۔ جہاد، بدی کی قوتوں کے خلاف غلبۂ اسلام کی انتہائی بھرپور مساعی کا نام ہے جس کو فقہی اصطلاح میں فرضِ کفایہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کی جماعت کو ہے۔ جہاد کی ایک مخصوص صورت قتال بھی ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی قوت سے جبر و ظلم کا خاتمہ کر کے اللہ کے دین کی راہیں ہموار کرتی ہے۔ اسی کے نتیجہ میں اسلام کا مشن "اَمن و فلاح" پروان چڑھتا ہے۔ لہٰذا جہاد کا مقصد اور آداب کا علم ان لوگوں کے لئے بڑا ضروری ہے جو اس مشن کو اپنے گلے لگائے ہوں تاکہ مجاہدین کے خلاف دہشت گردی اور فساد انگیزی کے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ جہاد کے آداب کے سلسلہ میں مسئلۂ قصاص پر غور کریں جو بظاہر قتل و غارت کے بدلے زیادتی کرنے والے کا جان و مال کا ایک نقصان ہی ہے لیکن قرآن مجید اسے "زندگی"[۱] قرار دیتا ہے کیونکہ برابر بدلہ لینے میں ہی انسانی جان و مال کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ مگر یہ امر واضح رہے کہ اگرچہ قصاص میں جماعت (حکومت) پر فرد[۲] (مجروح یا مقتول کے ورثاء) کو یک گونہ برتری حاصل ہے کہ ان کی رضامندی کی وجہ سے قصاص معاف ہو جاتا ہے لیکن چونکہ قصاص[۳] کا حکم مسلمانوں کی جماعت کو ہے اس لئے کوئی شخص خواہ مقتول کے ورثاء ہی کیوں نہ ہوں خود بدلہ نہیں لے سکتا کیونکہ اگر یہ صورت چل پڑے تو پھر امن و امان کے بجائے فساد و خون کا دور دورہ ہو گا کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے جان و مال کا زیادہ سے زیادہ نقصان کرنا چاہے گا جس سے قصاص کا مقصد ہی اُلٹ جائے گا۔ بالکل یہی صورت اسلام میں "قتال" کی ہے جسے عام لڑائی جھگڑے سے الگ سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ قتال کی دو

شکلیں ہیں (۱) دفاع (۲) طلب ــــــ دونوں کے بعض احکامات مختلف بھی ہیں جیسے دفاعی صورت میں جہاد فرض عین بن جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی گھر پر چور ڈاکو حملہ آور ہو جائے تو اس وقت تنظیم و جماعت کی لازمی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ ایسا مظلوم اپنے جان و مال اور عزت کی حفاظت میں جان بھی دے دے تو شہید [۴] ہو گا۔

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے خلاف کفار کی یلغار کے رد عمل میں عموماً مسلمانوں کا "جہادِ دفاع" ہے، جس کا معاملہ بعض دفعہ جہاد کی دوسری شکل سے خلط ملط ہو جاتا ہے۔ جہادِ طلب میں مسلمان نظام کفر کا ظلم و ستم ختم کرنے کے لئے خود پیش قدمی کرتے ہیں اور بقول ربعی بن عامر (نمائندہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتحِ قادسیہ) انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر ربُّ العٰلمین کی بندگی میں لاتے ہیں تاکہ دنیا میں امن و سکون بحال ہو کر اُخروی فلاح کے رستے وا ہوں۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے : [۵]، چونکہ ایسے مواقع پر خون گرم کرنے کے لئے جذباتی نعرے لگائے جاتے ہیں کہ جس طرح افغانستان کے جہاد کے نتیجے میں روس کے ٹکڑے ہوئے ہیں، امریکہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا یا کشمیر کو فتح کر کے دہلی کے لال قلعہ پر ہلالی جھنڈا لہرائے گا۔ اس لئے جوشیلے نوجوان جہادِ دفاع اور جہادِ طلب کا فرق نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان سے روس کے نکلنے کے بعد جو وہاں خانہ جنگی کی شکل بنی ہے اس سے پریشانی ہو رہی ہے۔ روس کے حملہ کی وجہ سے افغانستان کا جہاد دفاعی تھا اور اس کے نکل جانے کے بعد اس کی نوعیت غیروں کی سازشوں سے کچھ سے کچھ بن گئی ہے۔

اسی پریشان کن صورت حال کی وجہ سے میں ایک اہم امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ چونکہ جہاد و قتال کا حکم جماعت کو ہے لہٰذا اس میں تنظیم و اتحاد کی بڑی ضرورت ہے۔ جان و مال کی قربانی کا اصل تصور قرآن کی سورۃ توبہ کی آیت

﴿ اِنَّ اللهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ﴾ سے ماخوذ ہے، چنانچہ قتال کیلئے امیر بیعت بھی لیتا ہے جو جان و مال تک قربان کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ سورۃ توبہ کی اسی آیت کے آخر میں اس بیعت کا ذکر بھی ہے ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ﴾ ...... (اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ سے کیا ہے) یہاں جس بیع (سودے) کا ذکر ہے، اسے ہی امیر کے ہاتھ پر بیعت (ایک طرح کا سودا) کر کے شہادتِ حق کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ چونکہ مؤمنوں کا یہ معاملہ اللہ ہی سے ہے لہٰذا یہ بیعت بھی حقیقت میں اللہ سے ہوتی ہے جو اگرچہ نبی یا اس کا خلیفہ (نائب) جو مسلمانوں کا امیر ہوتا ہے، لیتا ہے لیکن اصل معاہدہ اللہ ہی سے ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللهَ یَدُاللهِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ﴾ (الفتح: ۱۰)

جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ (گویا) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

گویا جان و مال کی قربانی جو بندگی کی کامل شکل ہے وہ درحقیقت نبی کے لئے بھی نہیں ہوتی[۶] بلکہ صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے نبی یا اس کا خلیفہ تو صرف بطورِ نمائندۂ حق بیعت لیتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ قتالِ کفار کے لئے مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد و اتفاق کی شدید ضرورت ہے تاکہ بعد میں انتشار و اختلاف سے بچا جا سکے۔

اس وقت افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ صرف اہل حدیث میں شریکِ جہاد پانچ ٹولیاں ہیں (۱) مرکز الدعوۃ والارشاد (حافظ محمد سعید) (۲) جماعتِ مجاہدین (مولانا عبدالکریم، چودھری ظفراللہ وغیرہ (۳) مرکزی جمعیت اہل حدیث کا شعبۂ جہاد (۴) تحریکِ مجاہدینِ اسلام (مولوی خالد سیف شہیدؒ) (۵) تحریکِ جہادِ کشمیر

(مولانا عبداللہ ناصر رحمانی)

کم از کم ان سب کو تو اکٹھا ہونا چاہئے جو سب اہلِ حدیث ہیں لہٰذا بنیادی مسلک ایک ہونے کی بنا پر فروعی اختلافات کے باوجود جو اجتہاد پر مبنی ہوتے ہیں اِن میں انتشار نہیں ہونا چاہئے۔

مجھے بڑی حیرت ہے کہ مرکز الدعوۃ والارشاد، متحدہ جمعیت اہل حدیث سے الگ ہو گیا ہے حالانکہ دونوں کا جمہوریت کے مسئلہ پر بھی اتفاق ہے اور دونوں جماعت کے نظام کو شرعی طریقہ پر قائم کرنے کے داعی ہیں۔ بہرصورت میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اہل حدیث کو انتشار سے محفوظ رکھنے اور اتحاد کے لئے راہیں ہموار کرنے پر غور فرمائیں جو وقت کا شدید تقاضا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

سوال: جہاد فرض عین ہے لہٰذا جس طرح خلیفہ (امیر) کے بغیر نماز ہو رہی ہے جہاد بھی ہر شخص کو کرنا چاہئے۔

جواب: جہاد نماز کی مانند فرضِ عین نہیں ہے۔ نماز کا حکم فرد کو بھی ہے اور جماعت کو بھی، یہی وجہ ہے کہ نماز باجماعت نہ ہو سکے تو تنہا پڑھنی ضروری ہے اگرچہ اس کے فوائد بڑی سے بڑی جماعت کی صورت میں بہت زیادہ ہیں۔ جہاد کے فرضِ کفایہ ہونے کی دلائل بہت ہیں، فی الحال بخاری کی مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابی ھریرۃ : قال رسول اللہ ﷺ : من آمن باللہ وبرسولہ واقام الصلوۃ وصام رمضان کان حقا علی اللہ ان یدخلہ الجنۃ جاھد فی سبیل اللہ اَوجلس فی ارضہ التی ولد فیھا قالوا: یارسول اللہ، افلانبشر الناس، قال: ان فی الجنۃ مائۃ درجۃ اعدّھا اللہ للمجاھدین فی سبیل اللہ...... الحدیث

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا کر نماز، روزے کا اہتمام کرے اللہ پر یہ لازم ہے کہ اسے جنت میں داخل کر دے خواہ وہ اللہ کے رستہ میں جہاد کرتا ہو یا اسی زمین پر بیٹھا رہے جہاں پیدا ہوا۔ صحابہ نے (یہ سُن کر) عرض کی، اے رسول اللہ ﷺ، کیا اس کی بشارت ہم عام لوگوں کو دے دیں تو آپ نے فرمایا: جنت میں سَو درجے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے صرف مجاہدین کے لئے تیار کیے ہیں۔ الخ

جہاد کی ترغیب و فضیلت مسلمہ امر ہے لیکن جاھد فی سبیل اللّٰہ اَوْ جلس فی ارضہ التی ولد فیھا کے الفاظ واضح دلیل ہیں کہ جہاد ہر شخص پر بعینہٖ فرض نہیں ہے بلکہ فرضِ کفایہ ہے یعنی مسلمانوں کی جماعت میں سے وافر تعداد کا نکلنا کافی ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ صراحت موجود ہے: ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ (التوبہ: ۱۲۲)

سارے ایمان والے ہی لڑائی کے لئے نہ نکل پڑیں بلکہ ہر حلقے میں سے کچھ لوگ دین کی گہری سمجھ حاصل کرنے بھی نِکلیں تاکہ وہ مجاہدین سمیت اپنی قوم کو واپسی کے وقت محتاط رکھنے کے لئے اللہ سے ڈراتے رہیں۔

واضح رہے کہ نفیرِعام اور فرضِ کفایہ میں فرق بھی ہے۔ نفیرِعام میں ہر قابل شخص کا لڑائی کے لئے نکلنا ضروری ہوتا ہے جبکہ فرضِ کفایہ میں ایک وافر تعداد جنگ کیلئے کافی ہوتی ہے اگرچہ یہ مغالطہ بھی دور ہو جانا چاہئے کہ جو کام (مثلاً تعلیم و تعلم، دعوت و ارشاد اور جہاد و قتال) فرضِ کفایہ ہیں، انہیں جماعت پر فرض قرار دینے کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں تمام چیزوں کی اپنے اپنے محل میں اہمیت ہے لہٰذا اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق تمام امور انجام پانے چاہیں اور جماعتی

تنظیم و رابطہ کی وجہ سے یہ سب کام ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بھی بنیں گے۔ جو لوگ جہاد و قتال کے نعروں سے علم و تحقیق کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں وہ فکری لغزش کا شکار ہیں۔

فقہی زبان میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ نماز نہ صرف مناسکِ شریعت سے ہے بلکہ ارکانِ اسلام خمسہ کی دوسری بڑی کڑی ہے جبکہ جہاد مناسکِ شریعت سے نہیں ہے بلکہ مناہجِ شریعت سے ہے۔ مناہجِ شریعت کو مناسکِ شریعت پر قیاس کرنا ہی غلطی ہے۔

سوال جہاد و قتال کیلئے تنظیم و جماعت ضروری نہیں ہے، صلحِ حدیبیہ کے بعد ابو بصیر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا تو قریش نے صلح کے معاہدہ کے مطابق دو آدمی اسے حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ بھیجے تھے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر کو واپس کر دیا تھا چنانچہ ابو بصیر نے رستہ میں دھوکہ دے کر دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ گیا پھر ابو بصیر حرمین کے بجائے ساحلِ سمندر پر چلا گیا اور وہاں اسے ابو جندل وغیرہ بھی جا ملے جنہوں نے کافروں کے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔

جواب: جہاد و قتال غلبۂ اسلام کی منظم مساعی کا نام ہے۔ جہاد کا اسلامی مفہوم نظرانداز کرنے کی وجہ سے ہی یہ مغالطہ پیدا ہوا ہے۔ علماء "جہاد" سے امتیاز ظاہر کرنے کے لئے ابو بصیر وغیرہ کی کاروائی کو "مشاغبہ" کا نام دیتے ہیں جس کا معنی لڑائی جھگڑا ہے۔ ابو بصیر کا مدینہ منورہ آنے والے دو آدمیوں میں سے ایک کو قتل کرنا "مشاغبہ" کی قسم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے دوبارہ مدینہ منورہ آن کر یہ واضح کیا تھا کہ اس کا تو کوئی معاہدہ ان اشخاص سے نہیں تھا چونکہ رسول ﷺ کا معاہدۂ حدیبیہ موجود تھا اس لئے آپ ﷺ اسے پناہ نہ

دے سکے، اس وقت ابو بصیر مسلمانوں کی جماعت کا ایک فرد بھی نہ تھا اور نہ وہ بھی صلحِ حدیبیہ کا پابند ہوتا لہٰذا اس کی کاروائی کو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ ایسے اشخاص کیلئے اسلامی احکام دوسرے ہیں۔ البتہ اگر اسے جان و مال کے دفاع کی صورت مان لیا جائے کہ یہ کاروائی اس نے کافروں کے ظلم سے خود کو بچانے کے لئے کی تھی جس میں دفاع وہ قاتل بن کر بعد میں خود کو بچانے کے لئے دوسروں کے ساتھ جتھہ بندی پر مجبور ہوئے چنانچہ ایسی خاص صورت میں بھی جماعت کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اس مخصوص صورت کو جہادِ طلب اور جہادِ دفاع کی عام صورتوں کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ دراصل یہ مغالطہ اس لئے پیدا ہوا کہ اول تو جہاد کو صرف قتال میں محدود کردیا گیا پھر مسلمانوں کے ہر لڑائی جھگڑے کو جہاد وقتال سمجھ لیا گیا۔

سوال جہادِ افغانستان میں شریک ہونے والے اب جہاد کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

جواب جہاد کو منظم کرنے اور متحد ہو کر مساعی بروئے کار لانے کی تجویز کو "جہاد" کی مخالفت قرار دینا زیادتی ہے۔ بعض جوشیلے نوجوانوں کو یہی مغالطہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز مفتی اعظم سعودی عرب اور محدّثِ عصر شیخ ناصرالدین البانی حفظہما اللہ کے فتوؤں سے بھی ہوا ہے، حالانکہ افغانستان وغیرہ کے جہاد کو وہ "اسلامی جہاد" قرار دے چکے ہیں اور اس کے بعد افغان ٹولیوں کے انتشار ہی وجہ سے وہ امیرو تنظیم پر زور دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ افغانستان کا جہاد دفاعی تھا اور یہی صورت حال بوسنیا اور کشمیر وغیرہ میں بھی ہے۔ لہٰذا ان میں سب مسلمانوں کو دامے درمے سخنے شریک ہونا چاہئے۔ لیکن جس طرح جہاد میں شرکت کے لئے یہ حدیث [۷] دلیل ہے کہ "مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصہ کے دکھ میں باقی اعضا بخار اور بیداری کی صورت شریک

ہوتے ہیں"۔ اسی طرح جہاد کو منظم کرنے اور متحدہ ہونے کی بھی یہی دلیل ہے کہ جسم کسی منتشر شے کا نام نہیں بلکہ مرض اگر اضمحلال کی صورت کا نام ہے تو انتشارِ نظم ہی موت کا پیغام ہوتا ہے۔

سوال: جہاد کے لئے ماں باپ کی اجازت کی ضرورت ہے نہ امیر کی، خلفائے راشدین کے دور میں مثنی بن حارثہ نے ابوبکر صدیقؓ کی اجازت کے بغیر ہی فارس میں جہاد شروع کر دیا تھا۔

جواب: اسلام کے بارے میں انتہاپسندانہ نقطہ نظر ہی مخالفین کو یہ موقع دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو دہشت گردی کے طعن دیں حالانکہ اسلام نظم و نسق کی اتنی اہمیت پر زور دیتا ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عام حالات کے علاوہ ہنگامی حالات میں بھی اسلام آداب و ضوابط کی شدت سے پابندی کا اہتمام کرتا ہے جبکہ دنیا کے دیگر نظاموں میں نظریۂ ضرورت اور ہنگامی حالات تمام قوانین اور دعوؤں کا تیاپانچا کر دیتے ہیں۔ مغرب نے انسان کے بنیادی حقوق کا اتنا پروپیگنڈا کیا ہے کہ الہامی مذاہب کی تعلیمات کو انسانی پاؤں کی بیڑیاں بنا کر پیش کرنے میں غلطاں ہے۔ لیکن خود طاقت کے نشے میں مخمور سیاست دانوں کے لئے نظریۂ ضرورت کے نام پر انسان کے بنیادی حقوق کو جوتی کی نوک پر رکھ کر ٹھکرا دیتا ہے۔ اسی طرح من مانی کے لئے ہنگامی حالات کا ہوّا کھڑا کر کے تمام قوانین کی دھجیاں بکھیرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ اس کے بالمقابل اسلام اس قدر نظم و ضبط کا قائل ہے کہ ہنگامی حالات کے لئے بھی بھرپور ضابطہ بندی کی تلقین کرتا ہے۔ قواعد فقیہہ میں الضرورات تبیح المحظورات مجبوریاں، ممنوعات کے لئے گنجائش پیدا کرتی ہیں۔ کے ساتھ "الضرورات تقدر بقدرھا" وغیرہ ضوابط (Legal Maxims) اسی غرض سے رکھے گئے ہیں کہ انسان ہنگامی

حالات میں بھی بے قاعدہ نہ ہو- یہ ضوابط قرآن کریم کی آیت ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ﴾ سے مستنبط ہیں کہ مجبوری کی حالت میں بھی انسان حرام کی طلب اور حاجت کی حد سے تجاوز نہ کرے-

بہرحال جہاد کے بارے میں ماں باپ کی اجازت کی ضرورت کیلئے امام بخاری کی تبویب اور فرمان رسول ﷺ کی دلیل ملاحظہ کریں : باب "الجهاد باذن الابوين" (جہاد والدین کی اجازت سے ہونا چاہیے) کے تحت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جو یوں ہے :

جاء رجل الى النبى ﷺ فاستأذ نه فى الجهاد فقال أحى والداك؟ قال نعم قال ففيهما فجاهد

ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد کے بارے میں خواہش کا اظہار کرتا ہے تو آپ نے پوچھا کہ تیرے ماں باپ زندہ ہیں جس کا جواب اس نے ہاں میں دیا- آپ ﷺ نے فرمایا : پھر تو ان کی خدمت میں رہ کر ہی جہاد کر!

اس سے اگلے باب میں امام بخاریؒ نے ایک دوسرے شخص کے بارے میں رسول ﷺ کا ارشاد ذکر کیا ہے جسے مجاہدین میں نامزد کر دیا گیا تھا لیکن جب معلوم ہوا کہ اس کی بیوی حج کے لئے تیار ہے تو آپ نے اسے جہاد کے بجائے بیوی کے ہمراہ حج کی ہدایت فرمائی حالانکہ نامزدگی کے بعد جہاد فرض عین ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود حکم میں تبدیلی فرما دی-

باقی رہا جہاد و قتال کا مسئلہ اس میں تو نظم و نسق مثالی ہونا چاہیئے- دنیا میں فوج کا اعلیٰ نظم و نسق بطور مثال پیش کیا جاتا ہے- اس میں یہ مغالطہ پیش کرنا کہ ماتحت حکام خلیفہ کی اجازت کے بغیر ہی جہاد جیسے اہم امور میں کود جاتے تھے، بڑی زیادتی ہے-

قرآن کریم کی سورۂ نور کی مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ کریں:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ﴾ ...... (النور: ۶۲)

بس مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور (جب اسلام اور مسلمانوں کے) جامع کام کے لئے رسول ؐ کے ہمراہ ہوتے ہیں تو اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔

آیتِ بالا جس طرح اجتماعی اُمور میں رسول ؐ (جو سیاسی حکمران بھی تھے) کی اجازت ...... پر زور دیتی ہے۔ جن میں جہاد جیسا اہم امر بھی شامل ہے چنانچہ اس میں شرکت اسی طرح اجازت کی محتاج ہے جس طرح مسلمانوں کی صفوں میں شریک ہو کر رخصت کے لئے اجازت ضروری ہے۔ آیتِ مذکورہ سے ماتحتوں کیلئے خلیفہ کی اجازت بطور "دلالۃ النص" ثابت ہے۔ تاریخ و حدیث میں ایسے ہنگامی واقعات جن میں خلیفہ وقت کی فوری اجازت کے بغیر سپہ سالار بن جانا یا کسی کو معزول کر دینا ظاہر ہوتا ہے ان کو نظم و نسق سے فرار کی بجائے نظم و نسق کا ایک تقاضا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح جو لوگ جہاد ہی کی غرض سے بھیجے جاتے ہیں انہیں ہر حملہ کے لئے نئے اجازت نامہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثنٰی بن حارثہ شیبانی کے بارے میں اول یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ تاریخی ہے جس سے مسائل شرعی کا استنباط درست نہیں تاہم صورت حال وہ نہیں جو سوال میں ظاہر کی گئی ہے بلکہ مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ عراق کی بڑی لڑائیوں کے لئے انہوں نے خود مدینہ منورہ پہنچ کر اجازت لی تھی یا حضرت ابو بکرؓ کی طرف سے مثنٰی کی شہرت سن کر کمک روانہ کی گئی تھی تاہم اس بات پر مؤرخین متفق ہیں کہ وہ قبل ازیں بحرین میں مرتدین کی سرکوبی میں علاء حضرمی کے معاون رہے تھے۔ یہی سرگرمیاں ان کی شہرت کا باعث ہوئیں۔ چونکہ بحرین میں مرتدین کو اکسانے کا معاملہ فارس کی طرف سے شروع

ہوا تھا، اس لئے مثنیٰ کو مرتدین کی سرکوبی میں ہی فارس کے ماتحت علاقوں سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ لہٰذا ایسی پیش آمدہ صورت کو امیر کی اجازت کی بغیر جہاد قرار دینا غلط ہے۔ یہ واقعات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاء حضرمی کو جن کے معاون مثنیٰ بن حارثہ بنے، جہاد کی غرض سے روانہ کرنے والی مہم کا حصہ تھے یہی وجہ ہے کہ انکا خُمس برابر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا جاتا رہا۔

○ ——— حواشی....

(۱) ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ . (البقرہ: ۱۷۹)
"اے اہلِ بصیرت، تمہارے لئے برابر بدلہ لینے میں ہی زندگی ہے"۔

(۲) ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا ﴾
(بنی اسرائیل: ۳۳)
"جو کوئی ناحق قتل کردیا جائے، تو ہم نے اس کے ولی ہی کو غلبہ دیا ہے"۔

(۳) ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ﴾ ...(البقرہ: ۱۷۸) "اے ایمان والو! تمہارے اوپر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے"۔

(۴) مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ (بخاری)
"جو کوئی اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے"۔

(۵) ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ .... (التوبہ: ۴۱) "(دُشمن کے مقابلہ میں) نکل پڑو ہلکے یا بوجھل اور

اللہ کے رستہ میں جان و مال کے ساتھ جہاد کرو"۔

(۶) ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ (آل عمران: ۷۹)

"کسی بھی بشر کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ اسے شریعت، حکومت اور نبوت سے سرفراز فرمائے پھر وہ لوگوں کو کہے کہ اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ بلکہ تم سب کو رب والے ہونا چاہیے کیونکہ تم دوسروں کو شریعت سکھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو"۔

(۷) مثل المؤمنين في توادهم و تراحمهم و تعاطفهم كمثل الجسد الواحد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى

"مسلمانوں کی آپس میں دوستی، محبت اور ہمدردی کی مثال ایسے جسم کی سی ہے جس کا ایک عضو متاثر ہو جائے تو سارا جسم بیداری اور بخاری کی صورت اس عضو کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے"۔.... (بخاری)


## ضرورت برائے قاریہ

کلیۃ القرآن الکریم کے شعبہ "تحفیظ القرآن للبنات" (مدرسۃ الزہراء) میں بچیوں کو حفظ کروانے کے لئے حافظہ، قاریہ کی ضرورت ہے، جو علم تجوید کی سند یافتہ ہو۔ "محرم" کی موجودگی کی صورت میں رہائش بھی دی جاسکتی ہے۔ اگر محرم خود بھی قاری، عالم ہو تو اس کی ملازمت کے مواقع بھی موجود ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات قاری محمد ابراہیم صاحب میر محمدی (عمید کلیۃ القرآن) سے درج ذیل پتہ پر فوری رابطہ فرمائیں۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ ۹۱- بابر بلاک نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور (5837339)